Vol. 4 No. 2 (2026)

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895
https://llrjournal.com/index.php/11

طارق اسمعیل ساگر کے ناولوں میں حب الوطنی کے عناصر

ELEMENTS OF PATRIOTISM IN THE NOVELS OF TARIQ ISMAIL SAGAR

Ahmad[*1]
احمد
پی۔ایچ۔ڈی۔اردواسکالر،شعبہاردونارردرنیونیورسٹینوشہرہ
[*1]Phd Urdu Scholar,Department ofUrdu,Northern University,Nowshera

Dr.Nazar Muhammad Abid[2]
ڈاکٹرنذر محمدعابد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو نادرن یونیورسٹی نوشہرہ
[2]Assistant Professor, Urdu Deparment Northern University,Nowshera

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.20741561

Abstract

This research article examines the elements of patriotism in the novels of Tariq Ismail Sagar, highlighting that although he was primarily a writer of spy fiction, espionage and patriotism are inseparable in his work. The study argues that without a deep sense of love and loyalty toward one's country, a person cannot truly become a spy, and this fundamental idea is clearly reflected in his narratives. The article further explores how Tariq Ismail Sagar himself was deeply imbued with patriotic spirit, which is vividly portrayed throughout his novels. His works not only entertain but also reinforce a strong sense of national consciousness and devotion to the homeland.

Keywords:*Tariq Ismail Sagar, Patriotism, Spy Fiction, Urdu Novels, Nationalism, Espionage Literature, National Consciousness, Loyalty to Homeland, Pakistani Literature*

کلیدی الفاظ : طارق اسماعیل ساگر،حب الوطنی ، جاسوسی ادب، اردو ناول، قوم پرستی ، جاسوسی ادب،قومی شعور،وطن سے وفاداری،پاکستانی ادب

جاسوسی ناول نگار ی میں شہرت حاصل کرنے والے طارق اسمعیل ساگر کے خاندان کا تعلق علاقہ چھچھ کے گاوں کامل پور موسٰی تحصیل حضرو ضلع اٹک سے تھا تاہم اُن کے والد لاہور منتقل ہوئے اور وہیں رہائش اختیار کی طارق اسمعیل ساگر 1952 ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں ہی حاصل کی ۔ طارق اسمعیل ساگر کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جہاں عیش و عشرت اور آرام و سکون تھا۔ راوی روڈ پر واقع اُن کی کوٹھی میں ہر قسم کی سہولت اُنھیں میسر تھی۔ تاہم بعد میں جب اُن کے والد تجارت میں خسارے کا شکار ہوئے تو اُن کے خاندان کو شدید مالی بد حالی کا سامنا کرنا پڑا ، یہاں تک کہ مالی بد حالی کی وجہ سے اُن کو تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ اپنی معاشی بد حالی کی وجہ بتاتے ہوئے طارق اسمعیل ساگر لکھتے ہیں:

> ""میٹرک کے دوران ہی ہمارا کاروبار تباہ ہونے لگا۔ والد صاحب کو جو امپورٹ لائسنس ملے تھے وہ پالیسی ہی حکومت نے تبدیل کردی۔ ٹرک اس سے پہلے ہی نولکھا گڈز کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ ہمارے"وفادار ملازم یسین" نے آخری ٹرک اونے پونے دام جعلی کاغذات پر فروخت کیا اور بھاگ گیا۔ والد صاحب اکیلے کیا کرسکتے تھے۔ ہم ابھی چھوٹے تھے میٹرک کے بعد حالات ایسے ہوئے کہ سوائے ایک چھوٹی سی دکان کے جس کی آمدن نہ ہونے کے برابر تھی کچھ باقی نہ رہا۔"[7]

طارق اسمعیل ساگر نے جاسوس بن کر ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ جہاں وہ گرفتار ہوئے اور کافی عرصے تک ہندوستانی فوج کی تحویل میں رہے اور آخر کار وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ جب وہ وطن واپس آئے تو ذہنی اور جسمانی طور پر کافی کمزور ہو گئے تھے۔ بہت علاج معالجے کے بعد صحت بحال ہوئی تو صحافت اور ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ مختلف اخبارات میں کام کرتے رہے اور ساتھ ساتھ ادب بھی تخلیق کرتے رہے۔

وہ ایک مشہور جاسوسی ناول نگار ، کالم نویس اور صحافی تھے۔ تا ہم ناول نگاری میں انھوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ اُن کے ناولوں میں جاسوسی کے ساتھ ساتھ خفیہ ایجنسیوں کی سرگرمیاں ، حب الوطنی ، معاشرتی مسائل وغیرہ جیسے موضوعات بھی ملتے ہیں۔

طارق اسمعیل ساگر کے ناولوں میں حب الوطنی صرف ایک موضوع نہیں بلکہ ایک ایسا دھڑکتا ہوا جذبہ ہے جو ہر کہانی کی روح میں سرایت کیے ہوئے محسوس ہوتا ہے، اور اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو اُن کی تحریروں کا اصل جوہر ہی وطن سے بے پناہ محبت اور اس کے لیے ہر حد تک جانے کے عزم میں پوشیدہ ہے۔ یہ جذبہ اُن کے قلم تک کسی اتفاق کے نتیجے میں نہیں پہنچا بلکہ اُن کی زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی اُن کے وجود کا حصہ بن چکا تھا ۔ اُن کے والد ایک محب وطن انسان تھے ، جس کی وجہ سے بچپن ہی سے طارق اسمعیل ساگر کے دل میں وطن کی محبت ایک مقدس امانت کی طرح جگہ بنا چکی تھی، ایک ایسا احساس جو وقت کے ساتھ کمزور ہونے کے بجائے مزید طاقتور ہوتا چلا گیا۔ طارق اسمعیل ساگر نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو یہ جذبہ محض جذباتی وابستگی تک محدود نہ رہا بلکہ ایک عملی عزم میں تبدیل ہو گیا ، ایسا عزم جس نے انہیں وہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا جس کا تصور بھی عام انسان کے لیے نا ممکن ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے والدین کو بتائے بغیر ، اپنے آرام ، اپنی زندگی اور اپنی آسائشوں کو پسِ پشت ڈال کر دشمن کی سر زمین ، یعنی ہندوستان کا رخ کیا ، ایک ایسی سر زمین جہاں ہر لمحہ خطرہ منڈ لاتا ، ہر قدم پر موت کی آہٹ سنائی دیتی تھی اور ہر سانس ایک امتحان بن جاتی تھی۔ وہ یہ سب جانتے تھے کہ کسی بھی لمحے ان کی زندگی ختم ہو سکتی ہے ، وہ گرفتار ہو سکتے ہیں، تشدد کا نشانہ بن سکتے ہیں یا پھر ہمیشہ کے لیے گمنامی میں کھو سکتے ہیں ، مگر اس کے باوجود اُن کے قدموں میں کوئی لرزش نہ آئی کیونکہ اُن کے دل میں وطن کی محبت خوف سے با لا تر تھی ۔ ہندوستان میں گزارے گئے اُن کے دن کسی اذیت ناک خواب سے کم نہ تھے، ایک ایسی زندگی جس میں سکون کا کوئی لمحہ نہ تھا ، جہاں ہر دن ایک نئی آزمائش اور ہر رات ایک نیا خوف لے کر آتی تھی، مگر اُنہوں نے صبر، حوصلے اور عزم کی وہ مثال قائم کی جو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ قید و بند کی صعوبتیں، بدترین تشدد، جسمانی اذیتیں اور ذہنی دباؤ۔ یہ سب کچھ اُن پر مسلط کیا گیا، یہاں تک کہ وہ ذہنی طور پر شدید متاثر ہوئے ، مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان تمام اذیتوں کے باوجود ا ُن کے حوصلے میں کوئی کمی نہ آئی ، اُن کے عزم میں کوئی دراڑ نہ پڑی اور اُنہوں نے اپنے وطن کے راز اپنے سینے میں دفن رکھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ایک انسان کی اصل پہچان سامنے آتی ہے، جہاں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں اور کردار بولتا ہے اور طارق اسمعیل ساگر نے اپنے کردار سے یہ ثابت کیا کہ سچی حب الوطنی صرف دعووں یا نعروں کا نام نہیں بلکہ قربانی ، استقامت اور وفاداری کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ناولوں میں حب الوطنی کے جذبات محض کہانی کا حصہ نہیں بلکہ اُن کی اپنی زندگی کا عکس ہیں ، اُن کے اپنے تجربات کا نچو ڑ ہیں، اور یہی صداقت اُن کی تحریروں کو دلوں میں اتار دیتی ہے، قاری کو جھنجھوڑ دیتی ہے اور اسے یہ احساس دلاتی ہے کہ وطن سے محبت کا حق ادا کرنا صرف لفظوں کا کھیل نہیں بلکہ ایک ایسی آزمائش ہے جس میں صرف وہی سر خرو ہوتا ہے جو ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو۔

حب الوطنی کے حوالے سے اگر طارق اسمعیل ساگر کے ادبی کاموں کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو اُن کا شہرۂ آفاق ناول " میں ایک جاسوس تھا " ایک ایسی بے مثال تخلیق کے طور پر سامنے آتا ہے جسے محض ایک ناول کہنا اُس کے مقام کو کم کرنا ہو گا ، کیو نکہ یہ در حقیقت ایک ایسی آپ بیتی ہے جس میں ایک محبِّ وطن انسان کی اصل زندگی ، اُس کی قربانیاں، اُس کے جذبات اور اُس کے نا قابلِ یقین تجربات پوری شدت کے ساتھ جھلکتے ہیں ، یہ ناول اُن کے ادبی سفر کا آغاز بھی ہے ا و ر اُن کی شخصیت کا آ ئینہ بھی ، ایک ایسا آئینہ جس میں قاری نہ صرف کہانی دیکھتا ہے بلکہ ایک سچی زندگی کے نشیب و فراز کو محسوس بھی کرتا ہے۔ یہ وہ داستان ہے جس کا بیا نیہ صرف ا لفاظ کا ذخیرہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت بن کر قاری کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ہے ، جہاں ہر صفحہ ایک نئی کیفیت ، ایک نیا درد اور ایک نیا جذبہ لے کر سامنے آتا ہے۔ اِس ناول میں مصنف نے اپنے جاسوس بننے کے ابتدائی مرحلے سے لے کر ہندوستان میں خطر ناک منصوبے سرانجام دینے تک کے تمام واقعات کو نہایت باریکی ، سچائی اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ، وہ لمحے جب ہر قدم پر موت ان کے سر پر منڈ لا رہی تھی ، جب ہر فیصلہ موت کے منہ میں لے جانے کا سبب بن سکتا تھا ، اُن سب کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ قاری خود کو اُس دنیا کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود اُن خطرناک راستوں پر چل رہا ہو، اُنہی اندھیری راتوں میں سانس لے رہا ہو اور اُنہی خدشات و خطرات کا سامنا کر رہا ہو۔

"ایک سپاہی نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھول دیا اور وہ سب اندر گھس آئے

سب سے پہلے کیپٹن نے میری پسلیوں میں ٹھوکریں مارنا شروع کیں۔ اس کے بعد دوسروں نے بھی اُس کی تقلید شروع کر دی۔ پھر اس نے پیچھے ہٹ کر دو سپاہیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے رائفلوں کے بٹ میرے پیٹ اور سینے میں مارے۔ اس دوران میں نے اپنی چیخوں اور کراہوں کو روکنے کے لیے اپنا نچلا ہونٹ اتنی شدت سے دانتوں میں دبایا کہ میرے ہونٹ سے خون رسنے لگا تھاساتھ ہی کسی موذی کی رائفل کا بٹ ایسی جگہ لگا جس سے میرا ذہن تاریک ہو گیا اور مجھے کچھ دیر کے لیے ظالموں سے نجات مل گئی۔"(2)

جب مصنف کی گرفتاری کا مرحلہ آتا ہے تو کہانی ایک نئے درد ناک موڑ میں داخل ہو جاتی ہے، وہ اذیتیں، وہ تشدد، وہ ذہنی اور جسمانی تکالیف جو ایک انسان کو توڑ کر رکھ دیتی ہیں، اُنہیں جس شدت اور حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ دل کو دہلا دیتی ہیں، قاری ہر منظر کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، ہر تکلیف اُس کے اندر ایک زخم کی طرح اترتی ہے، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اِن تمام مظالم کے باوجود مصنف کے حوصلے میں کوئی کمی نہیں آتی، وہ اپنے وطن کے راز کو سینے میں محفوظ رکھتے ہیں، ایک ایسا عزم جو عام انسان کے لیے تصور سے بھی باہر ہے۔ پھر جیل سے فرار کا مرحلہ ایک سنسنی خیز موڑ لے کر آتا ہے، جہاں ہر لمحہ خطرے سے بھرا ہوتا ہے، ہر قدم ایک نئی آزمائش ہوتا ہے، اور جب وہ واپس اپنے وطن پہنچتے ہیں تو جسمانی اور ذہنی طور پر ٹوٹ چکے ہوتے ہیں، شدید بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر اُن کے دل میں وطن کی محبت کا چراغ بجھتا نہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ روشن ہوجاتا ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو اِس ناول کو محض ایک کہانی نہیں بلکہ ایک زندہ دستاویز بنا دیتے ہیں، ایک ایسی دستاویز جو حبُّ الوطنی، قربانی، حوصلے اور وفاداری کی اعلیٰ مثال پیش کرتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اِس ناول کی خوبصورتی، دلکشی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہاں فکشن اور حقیقت ایک دوسرے میں اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ قاری کے لیے اُن میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور قاری پوری طرح اِس داستان میں ڈوب جاتا ہے، جیسے یہ کہانی نہیں بلکہ اُس کی اپنی زندگی کا حصہ ہو۔

حب الوطنی کے حوالے سے طارق اسمعیل ساگر کے ایک اور ناول "گرفت" کی مثال بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ ناول 1995ء میں منظر عام پر آیا جسے مقبول اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ یہ ناول بھی جاسوسی کے موضوع پر لکھا گیا ہے اورحب الوطنی کے جذبات ناول میں جھلکتے نظر آتے ہیں۔

جاسوسی ناولوں میں حب الوطنی کا عنصر صرف ایک موضوع نہیں بلکہ پوری کہانی کی روح ہوتا ہے، یہی وہ جذبہ ہے جو ایک عام انسان کو غیر معمولی بنا دیتا ہے، اسے خوف، لالچ اور ذاتی مفادات سے بالا تر کر دیتا ہے، کیونکہ ایک جاسوس کا سفر محض معلومات اکٹھی کرنے یا خفیہ مشنز تک محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسی کٹھن راہ ہے جس میں ہر قدم پر موت سایہ بن کر ساتھ چلتی ہے، جہاں ہر لمحہ زندگی اور موت کے درمیان بال برابر فاصلہ رہ جاتا ہے، اور جہاں معمولی سی غلطی انسان کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر سکتی ہے، ایسے خطر ناک میدان میں کوئی شخص صرف مادی فائدے یا چند سکوں کی خاطر قدم نہیں رکھ سکتا، کیونکہ دولت کی کشش وقتی ہوتی ہے جبکہ جان کا خوف ہر لمحہ انسان کے دل کو جکڑے رکھتا ہے، لیکن جب کسی کے دل میں اپنے وطن کی محبت آگ کی طرح سلگ رہی ہو، جب اس کی سوچ، اس کا ضمیر اور اس کی شناخت اپنے ملک سے جڑی ہو، تب وہی انسان ان تمام اندیشوں کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، وہ اپنی خواہشات، اپنے آرام حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی ایک بڑے مقصد کے لیے قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، حب الوطنی کا یہی جذبہ ایک جاسوس کو یہ حوصلہ دیتا ہے کہ وہ دشمن کی سر زمین پر تنہا جائے، اپنی پہچان چھپائے، ہر لمحہ بے نقاب ہونے کے خطرے میں جیے اور پھر بھی ثابت قدم رہے، کیونکہ اس کے لیے اس کی اپنی جان سے زیادہ اہم اس کے وطن کی سلامتی ہوتی ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو اس کا ملک محفوظ رہے گا اور اس کی قربانی بھی کسی بڑے نقصان کو روکنے کا سبب بن جائے گی، یہی سوچ اسے موت کے خوف سے آزاد کر دیتی ہے، وہ موت کو ایک انجام نہیں بلکہ ایک مقصد کی تکمیل سمجھنے لگتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جاسوسی ناولوں میں ہمیں ایسے کردار نظر آتے ہیں جو خاموشی سے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں، وہ شہرت کے طلب گار ہوتے ہیں نہ انعام کے، بلکہ ان کی اصل پہچان ان کا جذبۂ حب الوطنی ہوتا ہے جو انہیں ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کا نام شاید کبھی سامنے نہ آئے، ان کی قربانی کو دنیا نہ پہچانے، لیکن ان کے دل میں یہ اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ایک سچا

محبِ وطن کر سکتا ہے، یہی وہ جذبہ ہے جو ایک عام انسان کو ہیرو بنا دیتا ہے، ایک ایسی خاموش طاقت جو دکھائی نہیں دیتی مگر قوموں کی تقدیر بدل دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جاسوسی ادب میں حب الوطنی ہمیشہ مرکزی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو اپنی ذات سے نکل کر ایک بڑے مقصد کے لیے جینے اور مرنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

ناول "گرفت" کے مرکزی کردار سلیم کے دل میں بھی حب الوطنی کا جذبہ مو جزن ہے۔ وہ وطن کی محبت میں کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ وہ جاسوس بن کر ہندوستان کی سر زمین پر قدم رکھتا ہے اور پھر ہر قسم کے خطرات کا سا منا کرتا ہے۔

> "کرنل بخش کے حکم پر ہیلی کاپٹر نے اب تک متعدد مرتبہ سڑک کے دونوں اطراف پھیلے کھیتوں کے وسیع سلسلے پر خاصی نیچی پرواز کی تھی۔ اس کی مسلسل نیچی پرواز نے "وائیٹ فلاور" پر تو کیا اثر کرنا تھا مقامی آبادی پر خاصی گھبراہٹ طاری کر دی تھی۔"(3)

طارق اسمعیل ساگر کے ایک اور ناول "دہشت گرد" میں حب الوطنی صرف ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک تڑپ، ایک بھڑکتی ہوئی آگ کے طور پر سامنے آتی ہے جو انسان کے اندر دیر سے سلگتے رہنے کے بعد یک دم بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے نوجوان عارف چودھری کی ہے جو بہ ظاہر ایک عام سا پاکستانی جوان ہے وہ کچھ خواب دیکھتا ہے، بہتر زندگی چاہتا ہے، اور دولت کی چمک اُس کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن طاقتیں اُسے اپنے جال میں پھنسا لیتی ہیں اور و ہ انجانے میں اُن قوتوں کے ہاتھوں ایک مہرہ بن جاتا ہے جو اُس کے اپنے وطن کے خلاف سازشیں کر رہی ہوتی ہیں۔ شروع میں عارف کے لیے ایسے مواقع آتے ہیں ، جن کے ذریعے تمام رنگین خوابوں کی تعبیر حاصل کی جا سکتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ جس راہ پر چل پڑا ہے وہ اُسے اپنی ہی مٹی سے غداری کے اندھیرے میں دھکیل دے گی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اور اُسے اپنے اصل کردار کا احساس ہونے لگتا ہے، اُس کے اندر ایک شدید کشمکش جنم لیتی ہے ، ایک طرف دولت، طاقت ، جھوٹی چمک، اور دوسری طرف اُس کی پہچان، اُس کی مٹی، اُس کا وطن۔ جب اُسے اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے تو اُس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے، وہی ضمیر جو شاید کچھ وقت کے لیے سو گیاتھا مگر مرا نہیں تھا۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب عارف کے اندر حب الوطنی کا جذبہ ایک طوفان بن کر ابھرتا ہے، اور وہ خود کو ملامت کرتے ہوئے ایک نئی راہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اب وہ پہلے والا عارف نہیں رہتا، بلکہ ایک ایسا انسان بن جاتا ہے جو اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے ، جو اپنے وطن کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو ناکام بنانے کا عزم رکھتا ہے۔ وہ انہی عناصر کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے جن کے ساتھ وہ کبھی خود شامل تھا ، اپنی جان کی پروا کیے بغیر ، ہر خطرہ مول لے کر، ہر تکلیف برداشت کرکے وہ اپنی مٹی کا قرض ادا کر سکے۔ اُس کی یہ جد و جہد صرف ایک شخص کی کہانی نہیں رہتی بلکہ ایک مثال بن جاتی ہے کہ اگر انسان کا ضمیر زندہ ہو تو وہ اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف واپس آ سکتا ہے۔ عارف چودھری کا کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ حب الوطنی کبھی ختم نہیں ہوتی ، وہ کہیں نہ کہیں انسان کے دل میں موجود رہتی ہے، بس ایک چنگاری بھڑک کر شعلہ بن جاتی ہے اور انسان اپنی ہر غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی جان بھی۔ ایک اقتباس دیکھیے:

> "اُس کے تعاقب میں کھٹاک کھٹاک کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ یہاں موجود ہر شخص اُس کی تقلید میں عارف کی عظمت کو سیلوٹ مارربا تھا۔
> ہلال احمر کے رضا کار عارف کا جوان لاشہ اٹھائے ٹرمینل سے باہر جارہے تھے۔یہاں موجود لوگ دورویہ قطاروں میں کھڑے ہوکر جیسے اُسے گارڈ آف آنر پیش کررہے تھے۔لاش ایمبولنس میں رکھ دی گئی۔۔۔ سائرن بجے اور عارف اپنی ابدی آرام گاہ کی طرف چل دیا۔ اس کی ایمبولنس کے تعاقب میں سرکاری ایجنسیوں کی گاڑیاں جلوس کی صورت میں جارہی تھیں۔ بالکل یوں جیسے حاکم شہر کو تکریم دی جاتی ہے۔"(4)

حب الوطنی کے تناظر میں طارق اسمعیل ساگر کا ایک اور ناول "کہساروں کی آگ" ہے، جو صرف ایک کہانی نہیں بلکہ قربانی، مزاحمت اور وطن سے بےپناہ محبت کی ایک زندہ تصویر بن کر سامنے آتا ہے۔ اس ناول میں روس اور افغانستان کے درمیان ہونے والی خونی جنگ کو نہایت گہرائی اور حقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے، جہاں صرف بارود اور گولیوں کی گھن گرج نہیں بلکہ انسانوں کے اندر چلنے والی جنگ، نظریات کی کشمکش اور شناخت کے بحران کو

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895

بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ اس ناول میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک بڑی طاقت اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے نہ صرف میدان جنگ میں اترتی ہے بلکہ ذہنوں کو غلام بنانے کی کوشش بھی کرتی ہے، اور اسی مقصد کے لیے افغان نوجوانوں کو تعلیم کے بہانے روس لے جایا جاتا ہے، جہاں اُنہیں عیش و عشرت، آسائشوں اور آزادی کے نام پر ایک ایسی زندگی دی جاتی ہے جو بظاہر خواب جیسی لگتی ہے لیکن حقیقت میں ایک جال ہوتی ہے۔ ان نوجوانوں کو آہستہ آہستہ اپنے نظریات سے دور کرکے روسی سوچ میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے ہی وطن کے خلاف استعمال ہو سکیں، اور افسوس کہ بہت سے نوجوان اس چمک دمک کے فریب میں آکر اپنی پہچان کھو بیٹھتے ہیں۔ لیکن انہی حالات کے درمیان فیضان اوغلو کا کردار ایک روشن چراغ کی طرح ابھرتا ہے، جو اس اندھیرے میں بھی اپنے دل کے اندر جلنے والی حب الوطنی کی روشنی کو مدھم نہیں ہونے دیتا۔ وہ ایک ایسا نوجوان ہے جس کے سامنے بھی وہی آسائشیں، وہی مواقع اور وہی راستے کھلے ہوتے ہیں، مگر اُس کے دل میں اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو بسی ہوتی ہے، اُس کے اندر ایک ایسی بےچینی جنم لیتی ہے جو اُسے سکون سے جینے نہیں دیتی، اور آخرکار وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنے وطن واپس لوٹ آتا ہے۔ اُس کا یہ فیصلہ آسان نہیں ہوتا، یہ ایک ایسی راہ کا انتخاب ہوتا ہے جس میں دکھ، تکلیف، جدوجہد اور موت کا خطرہ ہر قدم پر موجود ہوتا ہے، لیکن فیضان اوغلو ان سب سے بےخوف ہو کر افغان مجاہدین کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، اور اپنے وطن کے دفاع کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔ اُس کی زندگی ایک مسلسل آزمائش بن جاتی ہے، اُسے کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اُس پر بےرحمانہ تشدد کیا جاتا ہے، اُسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے، لیکن اُس کے دل میں بسنے والا وطن کا عشق کم ہوتا ہے نہ ختم ہوتا ہے، بلکہ ہر اذیت کے ساتھ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ فیضان اوغلو کا کردار اس بات کی جیتی جاگتی مثال بن جاتا ہے کہ سچی حب الوطنی کسی لالچ، کسی خوف یا کسی جبر کے آگے نہیں جھکتی، بلکہ ہر آزمائش میں مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اس ناول کے ذریعے مصنف نہ صرف افغان قوم کی بہادری، استقامت اور غیرت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ ایک قوم کی اصل طاقت اُس کے ہتھیار نہیں بلکہ اُس کے لوگوں کے دلوں میں بسنے والا اپنے وطن کے لیے بےلوث عشق ہوتا ہے، اور یہی عشق انہیں ناقابلِ شکست بنا دیتا ہے۔

> "فیضان خود آنکھوں سے دوربین لگائے خستہ اور نڈھال لیکن سرخ و سپید اور پُرعزم چہروں کے مالک افغانوں کو دیکھ رہا تھا۔۔ان کے جسموں پر کپڑوں کے بجائے چیتھڑے لٹک رہے تھے اور شدید سردی میں لرزتے ، کپکپاتے اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر وہ ہمسایہ مملکت کی طرف ہجرت کررہے تھے۔
> انہیں دیکھ کر فیضان کا ذہن چودہ سو سال پیچھے لوٹ گیا۔ اس نے تصور کی آنکھ سے خدا کے اُن برگزیدہ بندوں کو دیکھا جن پر مکہ کی زمین محض اس لیے تنگ کردی گئی تھی کہ انہوں نے خدان کے اصلی سچے اور ہمیشہ کے لیے رہنے والے دین کی حقانیت کو قبول کرکے اس دین مبین کو انسانوں تک پہنچانے والے پیغمبر نبی آخرالزمانؐ کی صدائے حق پر لبیک کہا تھا۔"(5)

حب الوطنی کے حوالے سے طارق اسمعیل ساگر کے مشہور ناول "سازش " کی مثال بھی دی جاسکتی ہے۔جس میں بہ ظاہر ایک سادہ سی کہانی کے پردے میں ایک ایسی تلخ حقیقت چھپی ہوئی ہے جو قاری کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار حنیف ہے، جو ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے جہاں اس کا باپ نتھو خان سرحد پار سے مال مویشیوں کی اسمگلنگ کرتا ہے، اور بظاہر وہ دونوں ایک ایسے پیشے سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں جو قانون اور اخلاقیات کی نظر میں درست نہیں سمجھا جاتا، لیکن حقیقت اس کے برعکس ایک بالکل مختلف رخ اختیار کرتی ہے۔ نتھو خان اور حنیف خان کا کردار اس بات کی واضح مثال ہے کہ کسی انسان کا پیشہ اُس کے دل کی نیت اور اُس کے جذبۂ حب الوطنی کی پیمائش نہیں کر سکتا، کیونکہ ان دونوں کے دلوں میں اپنے وطن کے لیے ایک بےلوث، سچا اور ناقابلِ تسخیر عشق موجزن ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ سرحد کے آرپار تجارت کے نام پر اسمگلنگ کرتے ہیں، مگر اپنے وطن کے خلاف کسی بھی قسم کی غداری کا تصور بھی اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے، اور یہی وہ جذبہ ہے جو اُنہیں عام کرداروں سے الگ اور بلند مقام عطا کرتا ہے۔ جب بھی وہ اپنی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو اُن کے دلوں کو ایک عجیب سا سکون ملتا ہے، ایک ایسا سکون جو کسی دولت، کسی آسائش یا کسی کامیابی سے حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ سکون اُن کی مٹی سے جڑے ہونے کا احساس ہوتا ہے ، وہ مٹی جس میں ان کی پہچان، اُن کی عزت اور اُن کی روح بسی ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نتھو خان اپنے بیٹے حنیف کے ہمراہ سیاست کے میدان میں قدم رکھتا ہے، شاید اس امید کے ساتھ کہ وہ اپنے وطن کی خدمت کا ایک نیا راستہ اختیار کر سکیں، لیکن جیسے ہی وہ اس دنیا میں داخل ہوتے ہیں، اُن پر ایک ہولناک حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ سیاست کا میدان کس قدر آلودہ، پیچیدہ اور

مفادات کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ یہاں اصولوں کی نہیں بلکہ مفادات کی جنگ لڑی جاتی ہے، یہاں سچائی کو کچل کر جھوٹ کو پروان چڑھایا جاتا ہے، اور یہاں سیاست کے نام پر وہ کھیل کھیلے جاتے ہیں جو درحقیقت وطن کو ہی کمزور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر نتھو خان اور حنیف کے اندر ایک نئی آگ بھڑک اٹھتی ہے، ایک ایسا جذبہ جو اُنہیں خاموش رہنے نہیں دیتا، اور وہ ان سماج دشمن اور وطن فروش عناصر کے خلاف کھل کر میدان میں آ جاتے ہیں۔ اُن کی یہ جد و جہد آسان نہیں ہوتی ، ہر قدم پر خطر ا ت ، سازشیں اور دشمنی اُن کا راستہ روکتی ہے، لیکن وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوتے۔ نتھو خان اس جد و جہد میں اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، اُس کا قتل دراصل اس بات کی گواہی بن جاتا ہے کہ سچائی کی راہ پر چلنے والوں کو کس قدر بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، مگر اُس کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ حنیف اپنے باپ کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیتا، بلکہ اُس کے مشن کو اپنے سینے سے لگا کر آخری سانس تک اُس جنگ کو جاری رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسا کردار بن کر ابھرتا ہے جو ہر ظلم ، ہر ناانصافی اور ہر غداری کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے ، اور اپنی ذات سے بڑھ کر اپنے وطن کو ترجیح دیتا ہے۔ اس ناول کے ذریعے مصنف نے نہ صرف حب الوطنی کے جذبے کو ایک نئی جہت دی ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ِ وطن کی سچی محبت کسی ایک طبقے ، پیشے یا حیثیت کی محتاج نہیں ہوتی ، بلکہ یہ و ہ جذبہ ہے جو انسان کے دل میں بس جائے تو وہ ہر مشکل ، ہر آزمائش اور ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اور یہی جذبہ قوموں کو زندہ اور سر بلند رکھتا ہے۔

حوالہ جات

1. طارق اسماعیل ساگر، "مجھے کھاگئے"ساگر پبلی کیشنز ، لاہور، ، 2014ء، ص-7
2. طارق اسمعیل ساگر، "میں ایک جاسوس تھا"، قومی کتب خانہ لاہور، 1983ء، ص-387
3. طارق اسمعیل ساگر، "گرفت"، مقبول اکیڈیمی لاہور، 1995ء ، ص-48
4. طارق اسمعیل ساگر، "دہشت گرد"،ساگر پبلی کیشنز لاہور، 2017ء، ص- 367 ، 368
5. طارق اسمعیل ساگر، "کہساروں کی آگ"، قومی کتب خانہ لاہور ، 1989ء، ص-266

References

1- Tariq Ismail Sagar, “Muje Khaa Gay ”Sagar Publishcation Lahore,2014.P-7
2- Tariq Ismail Sagar,”Main Aik Jasos Tha”Qumi Kutab Khana Lahore1983.P-387
3- Tariq Ismail Sagar,”Garift”Maqbool E Aam Akidimi Lahore1995.P-47
4- Tariq Ismail Sagar, “Desheit Gard ”Sagar Publishcation Lahore,2017.P-367.368
5- Tariq Ismail Sagar,”Khosaron Ki Aag”Qumi Kutab Khana Lahore1989.P-266